فَسۡـَٔلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ

دارالافتاء جامعہ نعیمیہ

DARUL ULOOM JAMIA NAEEMIA

اسمِ جلالت کی ہیئت میں پنجتن پاک کے نام لکھنا

سوال:

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہماری مسجد کی تعمیر نو ہوئی ہے اور اس کے محراب میں شیشہ کا کام ہوا ہے ،محراب کی چھت میں کاریگر نے فن خطاطی سے اسمائے پنجتن پاک کو اس طرح ڈھالا ہے کہ بداھۃً اسم اللہ عزوجل معلوم ہوتا ہے اور غور وفکر کے بعد اسمائے مبارکہ پنجتن پاک۔ ایک مفتی صاحب نے کہا کہ یہ ان غالی شیعوں سے تشابہ ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ یا پنج تن پاک کو ہی اللہ مانتے ہیں اور اس میں تَشَبُّہٌ فِی التَّوْحِیْد ہے، یہ صحیح نہیں ہے۔ دوسرے مفتی صاحب کا کہنا ہے کہ یہ اظہار محبت اہل بیت کا بہترین انداز ہے اور دیو بندیوں وھابیوں کو چڑانے کا خوبصورت مرقعہ ہے، اب آپ حضرات کو اس تبحر علمی کا واسطہ جو اللہ نے آپ کو عطا فرمایا ہے ہماری رہنمائی کریں اور مفصل اور مدلل فتوی عنایت کریں۔

(سائل: حافظ محمد رمضان مصطفائی، ٹنڈو محمد خان، سندھ)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡجَوَاب بِعَوۡنِ الۡمَلِكِ الۡوَهَّاب

پنجتن پاک کے اسمائے مبارکہ کو اس انداز میں لکھنا کہ اسمِ جلالت اللہ کی ہیئت نظر آئے ، اگر اس بناء پر ہو کہ اَلۡعِیَاذُ بِاللہ! اللہ تبارک وتعالیٰ ان پانچ مقدس ہستیوں میں حلول کیے ہوئے ہے، جیسا کہ بعض غالی رافضیوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت علی میں حلول کیے ہوئے ہے، تو یہ صریح کفر ہے۔ اللہ رب العزت، کسی مخلوق میں، خواہ اس کا مرتبہ کتنا ہی عظیم تر کیوں نہ ہو، حلول کرنے سے پاک اور منزہ ہے اور اللہ تعالیٰ جسم، جسمانیات، اُن کے متعلقات اور تقاضوں سے قطعی طور پر پاک اور مبرّا ہے۔

قرآن پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے عیسائیوں کے اسی عقیدے کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

(۱) ’’وَ اِذۡ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیۡسَی ابۡنَ مَرۡیَمَ ءَاَنۡتَ قُلۡتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوۡنِیۡ وَ اُمِّیَ اِلٰهَیۡنِ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبۡحٰنَكَ مَا یَكُوۡنُ لِیۡۤ اَنۡ اَقُوۡلَ مَا لَیۡسَ لِیۡ ٭ بِحَقٍّ ؔؕ اِنۡ كُنۡتُ قُلۡتُهٗ فَقَدۡ عَلِمۡتَهٗ ؕ تَعۡلَمُ مَا فِیۡ نَفۡسِیۡ وَ لَاۤ اَعۡلَمُ مَا فِیۡ نَفۡسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ عَلَّامُ الۡغُیُوۡبِ ﴿۱۱۶﴾‘‘۔

ترجمہ: ’’اور جب اللہ فرمائے گا: اے عیسیٰ بن مریم! کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا: مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دو معبود مان لو، وہ عرض کریں گے: تو (شریک سے) پاک ہے، میری یہ مجال نہیں تھی کہ میں وہ بات کہتا جس کا مجھے کوئی حق نہیں، اگر (بفرضِ محال) میں

(جاری ہے۔۔۔)

نے یہ بات کہی ہوتی توضرور تو اُسے جانتا،تو ہر وہ بات جانتا ہے جو میرے دل میں ہے اور میں ہر وہ بات نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے، بے شک تو ہی سب غیبوں کا جاننے والا ہے، (المائدہ:116)''۔

(2)''لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ''۔

ترجمہ:''بیشک وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا: بلاشبہ اللہ تین میں سے تیسرا ہے، (المائدہ:73)''۔

اس آیت کی تفسیر میں صدرالا فاضل علامہ سید محمد نعیم الدین مرادآبادی رحمۃاللہ علیہ فرماتے ہیں:

''یہ قول نصارٰی کے فرقہ مرقوسیہ ونسطوریہ کا ہے۔ اکثر مفسّرین کا قول ہے کہ اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ اللہ اور مریم اور عیسٰی تینوں اِلٰہ ہیں اور اِلٰہ ہونا ان سب میں مشترک ہے۔ متکلّمین فرماتے ہیں: نصارٰی کہتے ہیں کہ باپ، بیٹا، روح القدس یہ تینوں ایک اِلٰہ ہیں''۔

امام فخر الدین رازی رحمۃاللہ علیہ تفسیر کبیر میں اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

''اِنَّ الْمُتَكَلِّمِيْنَ حَكَوْا عَنِ النَّصَارٰى اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ جَوْهَرٌ وَّاحِدٌ ، ثَلَاثَةُ اَقَانِيْمَ اَبٌ ، وَابْنٌ، وَرُوْحُ الْقُدُسِ، وَهٰذِهِ الثَّلَاثَةُ اِلٰهٌ وَاحِدٌ ، كَمَا اَنَّ الشَّمْسَ اِسْمٌ يَتَنَاوَلُ الْقُرْصَ وَالشُّعَاعَ وَالْحَرَارَةَ ، وَعَنَوْا بِالْاَبِ الذَّاتَ، وَبِالْاِبْنِ الْكَلِمَةَ ، وَبِالرُّوْحِ الْحَيَاةَ ، وَاَثْبَتُوا الذَّاتَ وَالْكَلِمَةَ وَالْحَيَاةَ ، وَقَالُوْا: اِنَّ الْكَلِمَةَ الَّتِيْ هِيَ كَلَامُ اللّٰهِ اخْتَلَطَتْ بِجَسَدِ عِيْسٰى اِخْتِلَاطَ الْمَاءِ بِالْخَمْرِ ، وَاخْتِلَاطَ الْمَاءِ بِاللَّبَنِ ، وَزَعَمُوْا اَنَّ الْاَبَ اِلٰهٌ وَالْاِبْنَ اِلٰهٌ وَالرُّوْحَ اِلٰهٌ وَالْكُلُّ اِلٰهٌ وَاحِدٌ ،وَاعْلَمْ اَنَّ هٰذَا مَعْلُوْمُ الْبُطْلَانِ بِبَدِيْهَةِ الْعَقْلِ، فَاِنَّ الثَّلَاثَةَ لَا تَكُوْنُ وَاحِدًا، وَالْوَاحِدَ لَا يَكُوْنُ ثَلَاثَةً ، وَلَا يُرٰى فِي الدُّنْيَا مَقَالَةٌ اَشَدُّ فَسَادًا وَاَظْهَرُ بُطْلَانًا مِّنْ مَّقَالَةِ النَّصَارٰى''۔

ترجمہ:''متکلمین نے نصارٰی کے حوالے سے بیان کیا ہے: (الوہیت) ایک جوہر ہے اور (اس کی) تین اقنوم (یعنی اصلیں) ہیں: باپ، بیٹا، اور روح القدس، اور یہ تینوں (بحیثیت مجموعی) ایک خدا ہیں، جیسے سورج قُرص، شعاع اور حرارت تینوں پر مشتمل ہے اور انہوں نے باپ سے ذات، بیٹے سے کلمہ اور روح القدس سے حیات مراد لی ہے۔ انہوں نے ذات، کلمہ اور حیات کو ثابت کیا اور کہا: کلمہ اللہ کا کلام ہے جو حضرت عیسٰی کے جسم میں حلول کر گیا، جیسے پانی شراب یا دودھ میں مل جاتا ہے اور انہوں نے گمان کیا: باپ (بھی) خدا ہے، بیٹا (بھی) خدا ہے اور روح (بھی) خدا ہے اور اس کے باوجود سب ایک ہی خدا ہیں۔ اور جان لو کہ نصارٰی کا یہ عقیدہ بداہۃً باطل ہے (یعنی اس کے بطلان کو سمجھنے کے لیے کسی غور وفکر کی ضرورت نہیں ہے)، کیونکہ تین ایک نہیں ہوتا اور ایک تین نہیں ہوتے اور نصارٰی کے اس قول سے زیادہ فاسد اور واضح طور پر باطل بات دنیا میں اور کوئی نہیں ہے''۔

محدث اعظم پاکستان علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃاللہ علیہ لکھتے ہیں:

''نصارٰی میں سے ایک فرقہ یعقوبیہ ہے، جس کا عقیدہ ہے کہ مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے، وہ کہتے ہیں: اللہ تین اقانیم (اصلوں) سے مرکب ہے: باپ، بیٹا اور روح القدس۔ باپ اللہ ہے، بیٹا مسیح ہے اور باپ (اللہ) بیٹے (مسیح) میں حلول کر کے اسکے ساتھ متحد ہو گیا اور روح القدس بن گیا اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کا عین ہے۔ ان کے اس قول کا خلاصہ یہ ہے کہ مسیح ہی اللہ ہے، حالانکہ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی جو کلمہ سب سے پہلے کہا، وہ یہ تھا: ''میں اللہ کا بندہ ہوں''۔

(تبیان القرآن، ج:3، ص:260، فرید بک اسٹال، لاہور)

الغرض عیسائیوں کے مذکورہ باطل عقیدے کی طرح بعض غالی روافض بھی پنجتن پاک بالخصوص حضرت علی رضی اللہ عنہ میں اللہ تعالیٰ کا

(جاری ہے۔۔۔)

حلول مانتے ہیں جو کہ صریح کفر ہے، پس اسمائے پنجتن پاک کو اس طرح لکھنے میں اس کفریہ عقیدے کا ایہام پایا جا رہا ہے اور کسی کفریہ معنی کا ایہام ہی اس بات کے ممنوع ہونے کے لیے کافی ہے، اگرچہ اس کی کوئی صحیح تاویل بھی موجود ہو۔ رہی یہ توجیہ کہ پنجتن پاک کا نام عقیدت ومحبت کے اظہار کے لیے لکھا جاتا ہے، تو اُس کے لیے ایسا پیرایہ اختیار کرنا چاہیے کہ جس میں اس طرح کا نہ کوئی ایہام اور اشتباہ پیدا ہو اور نہ ہی لوگوں کو انگشت نمائی کا موقع ملے۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''اَنَّ مُجَرَّدَ اِیْهَامِ الْمَعْنَی الْمُحَالِ کَافٍ فِی الْمَنْعِ عَنِ التَّلَفُّظِ بِهٰذَا الْکَلَامِ وَاِنِ احْتَمَلَ مَعْنًی صَحِیْحاً''۔

ترجمہ: ''عبارت سے محض محال معنی کا وہم پیدا ہونا ہی ایسے کلام کو منع کرنے کے لیے کافی ہے، خواہ (کسی کے نزدیک) وہ صحیح معنی کا احتمال بھی رکھتا ہو، (ردالمحتار: ج:9:ص:625)''۔

الغرض پنجتن پاک کا نام اسمِ جلالت کی ہیئت میں لکھنا کبھی بھی مسلمانوں کا شعار نہیں رہا اور ہمیں کوئی ایسا انداز اختیار کرنے سے احتراز کرنا چاہیے جو مسلمانوں میں کسی بھی درجے میں افتراق وانتشار کا باعث بنے اور اس سے دینِ حق اسلام اور مسلکِ حق اہلسنت وجماعت کو کوئی فائدہ بھی حاصل نہ ہو۔ خصوصاً اس پرفتن دور میں دینی مصلحت وحکمت کے تحت اس طرح کے اندازِ تحریر سے اجتناب لازم ہے، حدیث پاک میں ہے:

(1) ''عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ رَضِیَ اللہُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: إِذَا صَلَّيْتَ فَصَلِّ صَلَاةَ مُوَدِّعٍ وَلَا تَتَحَدَّثَنَّ بِكَلَامٍ تَعْتَذِرُ مِنْهُ غَدًا، قَالَ أَبُو بَكْرٍ وَقَالَ بَعْضُ الْحُكَمَاءِ: إِيَّاكَ وَمَا يُعْتَذَرُ مِنْهُ، وَمَا يُسْتَحْيَا مِنْ ذِكْرِهٖ، فَإِنَّمَا يُعْتَذَرُ مِنَ الذَّنْبِ، وَيُسْتَحْيَا مِنَ الْقَبِيحِ''۔

ترجمہ: ''حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم نماز پڑھو (تو اس انہماک سے پڑھو کہ گویا یہ تمہاری زندگی کی) آخری نماز ہے اور ہر ایسی بات سے بچو جس پر بعد میں تمہیں عذرخواہی کرنی پڑے، ابوبکر نے کہا: کسی دانا کا قول ہے: ہر اُس چیز سے بچو، جس سے عذرخواہی کرنی پڑے اور اس کے ذکر سے حیا آئے، کیونکہ گناہ پر عذرخواہی کرنی پڑتی ہے اور قبیح بات (بیان کرنے) سے حیا آتی ہے، (مکارم الاخلاق للخرائطی: 484)''۔

(2): ''عَنْ أَبِي الْحَوْرَاءِ السَّعْدِيِّ قَالَ: قُلْتُ: لِلْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِیَ اللہُ عَنْهُمَا مَا حَفِظْتَ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ، قَالَ: حَفِظْتُ مِنْ رَّسُوْلِ اللهِ ﷺ: دَعْ مَا يَرِيْبُكَ إِلٰى مَا لَا يَرِيْبُكَ، فَإِنَّ الصِّدْقَ طُمَأْنِيْنَةٌ وَإِنَّ الْكَذِبَ رِيْبَةٌ''۔

ترجمہ: ''ابوحوراء بیان کرتے ہیں: میں نے حسن بن علی سے کہا: آپ نے رسول اللہ ﷺ سے (سب سے مفید بات) کون سی یاد رکھی ہے؟، انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے (اہم بات یہ) یاد کر رکھی ہے: ''جو چیز تمہیں شک میں ڈالے، اسے چھوڑ دو اور اس کے بجائے اس بات کو اختیار کرو جو تمہیں شک میں نہ ڈالے (یعنی اس کی صحت واضح ہو)، کیونکہ سچائی میں طمانیتِ قلب ہے اور جھوٹ میں بے اطمینانی ہے، (سنن ترمذی: 2518)''۔

البتہ ہمارے لیے حکم یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کے بارے میں حسن ظن سے کام لیں اور جب تک کسی کے کفریہ عقیدے کا قطعی اور صریح ثبوت ہمارے علم میں نہ ہو، ہم ان پر کفر کا حکم لگانے سے اجتناب کریں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ٘ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ''۔

(جاری ہے۔۔۔)

ترجمہ: اے ایمان والو! بہت گمانوں سے بچو، بے شک بعض گمان گناہ ہوتے ہیں، (الحجرات:12)''۔

حدیث پاک میں ہے: ''إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ، فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الحَدِيثِ''۔ ترجمہ: ''بدگمانی سے بچو، پس بے شک بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے، (صحیح البخاری:5143)''۔

اگر کوئی یہ فاسد استدلال کرے کہ مخلوق میں اللہ کے حلول کا تصور قرآنِ کریم میں موجود ہے، چنانچہ فرمایا:

''فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَلَمَّاۤ اَتٰىهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰۤى اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۰﴾''۔

ترجمہ: پس جب موسیٰ نے اپنی مدت پوری کر لی اور اپنی اہلیہ کو لے کر (مصر کی جانب) چلے تو انہوں نے طور کی طرف سے ایک آگ دیکھی، اپنی اہلیہ کو فرمایا: تم یہیں ٹھہرو، میں نے آگ دیکھی ہے، شاید میں وہاں سے کوئی خبر لاؤں یا آگ کا کوئی شعلہ لاؤں تاکہ تم تپش حاصل کرو، پھر جب موسیٰ آگ کے پاس حاضر ہوئے تو میدان کے دائیں کنارے سے برکت والے مقام میں ایک درخت سے پکارا گیا: اے موسیٰ! بے شک میں ہی اللہ رب العالمین ہوں، (القصص:30-29)''۔

اس سے یہ کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ العیاذ باللہ تعالیٰ! اللہ تعالیٰ نے درخت میں حلول کر لیا تھا، اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے برتر اور پاک ہے، ہاں! وہ اس بات پر قادر ہے کہ کہیں سے بھی اُس کی جانب سے ندا آئے، اُس کی ذات کی طرح اس کی صوت (آواز) بھی جسم اور جسمانی تقاضوں اور مادّی عوارض سے پاک ہے۔

ہوسکتا ہے کوئی اس حدیثِ مبارک کا بھی حوالہ دے:

''عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِنَّ اللهَ قَالَ: مَنْ عَادٰى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ، وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ، وَمَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى أُحِبَّهُ، فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ، وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ، وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا، وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا، وَإِنْ سَأَلَنِي لَأُعْطِيَنَّهُ، وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِي لَأُعِيذَنَّهُ، وَمَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَيْءٍ أَنَا فَاعِلُهُ تَرَدُّدِي عَنْ نَفْسِ الْمُؤْمِنِ، يَكْرَهُ الْمَوْتَ وَأَنَا أَكْرَهُ مَسَاءَتَهُ''۔

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جس شخص نے میرے کسی ولی سے عداوت رکھی تو میں اس سے اعلانِ جنگ کرتا ہوں اور میری محبوب ترین چیز جس سے میرا بندہ میرا قُرب حاصل کرتا ہے، وہ عبادات ہیں جو میں نے اس پر فرض کی ہیں اور میرا بندہ نوافل کے ذریعے مسلسل میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں، پس جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کے کان ہوجاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور میں اس کی وہ آنکھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور میں اس کے وہ ہاتھ ہوجاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے وہ پیر ہوجاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں ضرور اس کو عطا کرتا ہوں اور اگر وہ میری پناہ میں آنا چاہے تو میں ضرور اُسے پناہ دیتا ہوں اور میں کسی کام میں جس کو میں کرنے والا ہوں، ایسا تردُّد نہیں کرتا جیسا تردُّد میں مومن کی روح کو قبض کرنے میں کرتا ہوں کہ وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں اُسے رنجیدہ کرنے کو ناپسند کرتا ہوں، (صحیح البخاری:6502)''۔

حاشا وکلّا! یہاں تردُّد سے یہ مراد نہیں ہے کہ اللہ فیصلہ نہیں کر پاتا، جیسا کہ بعض اوقات بندے کو تردُّد لاحق ہوتا ہے، بلکہ یہاں مراد

(جاری ہے۔۔۔۔)

یہ ہے کہ اللہ اُس کی اجل میں تاخیر فرما دیتا ہے اور مہلت دیتا ہے، اسی کو ''تقدیرِ معلق'' کہتے ہیں، قرآن کریم کی یہ آیت مبارکہ: ''وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا''، ترجمہ: ''اور جب کسی شخص کی اَجَل (موت کا مقررہ وقت) آجائے تو اللہ سے ہرگز مہلت نہیں دے گا، (المنافقون:11)''۔ یہ آیت تقدیرِ مُبرم کے بارے میں ہے اور تقدیرِ مبرم یقیناً نہیں ٹلتی، بلکہ نافذ ہو کر رہتی ہے۔

اس حدیث کے تحت کسی نے بھی یہ قول نہیں کیا کہ معاذ اللہ! اللہ تعالیٰ بندے میں حلول فرمالیتا ہے، بلکہ محدثین کرام نے اس کی توجیہات کی ہیں، علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ بندے کے کان اور آنکھیں ہوجاتا ہے، اس کی کیا توجیہ ہے، عام طور پر شارحین اور علماء نے یہ کہا ہے کہ بندہ اپنے کانوں سے وہی سنتا ہے جس کے سننے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور اپنی آنکھوں سے وہی دیکھتا ہے جس کے دیکھنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے تو بندے کا سننا، اللہ کا سننا اور بندے کا دیکھنا اللہ کا دیکھنا ہوتا ہے، اس لیے فرمایا: میں اس کے کان ہوجاتا ہوں اور اس کی آنکھیں ہوجاتا ہوں، لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ کوئی بندہ اس وقت تک اللہ تعالیٰ کا محبوب نہیں بنے گا جب تک کہ اس کا سننا، اس کا دیکھنا، اس کا تصرف کرنا اور اس کا چلنا اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق نہ ہو اور جب اللہ تعالیٰ اس کو اپنا محبوب بنالے گا تو پھر اللہ اس کے کان ہوجاتا ہے اور اس کی آنکھیں ہوجاتا ہے کا معنی یہ نہیں ہوسکتا، اس حدیث کی بہترین توجیہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے، وہ فرماتے ہیں:

''بندہ جب عبادات پر دوام کرتا ہے تو وہ اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں اس کی آنکھ ہوجاتا ہوں اور اس کے کان ہوجاتا ہوں، پس جب اللہ کا نورِ جلال اس کے کان ہوجاتا ہے تو وہ قریب اور دور سے سن لیتا ہے اور جب اس کا نورِ جلال اس کی آنکھ ہوجاتا ہے تو وہ قریب اور بعید کو دیکھ لیتا ہے اور جب اس کا نور اس کے ہاتھ ہوجاتا ہے تو وہ مشکل اور آسان چیزوں پر اور قریب اور بعید کی چیزوں کے تصرف پر قادر ہوجاتا ہے''۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کا ولی فرائض پر دوام اور نوافل پر پابندی کرنے سے اس مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر ہوجاتا ہے، لیکن بندہ، بندہ ہی رہتا ہے خدا نہیں ہوجاتا، جیسے آئینے میں کسی چیز کا عکس ہو تو آئینہ وہ چیز نہیں بن جاتا، اس کی صورت کا مظہر ہوجاتا ہے، بلاتشبیہ و تمثیل جب بندہ کامل کی اپنی صفات فنا ہوجاتی ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر ہوجاتا ہے۔
(تبیان القرآن، ج:5، ص:418)

15 اگست 2023ء

دار الافتاء

مفتی منیب الرحمٰن
رئیس دارالافتاء دارالعلوم نعیمیہ، کراچی